مسلمانوں کے سوچنے کی بات

از

(جناب اسرار احمد صاحب آزادؔ)

تقسیم ہند کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب بیشتر رہنمایان وقت کا یہ خیال بھی تھا کہ اس طرح اس برصغیر سے فرقہ وارانہ مسائل مفقود ہو جائیں گے اور اگر بفرضِ محال یہ مسائل باقی بھی رہیں گے تو کم ازکم انھیں ملک کی سیاسیات، اقتصادیات اور معاشیات میں کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکے گی۔ مگر گذشتہ چار سال کے تجربات سے یہ افسوسناک حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ یہ مسائل نہ صرف باقی ہی ہیں بلکہ روز بروز پیچیدہ تر بھی ہوتے جارہے ہیں اور اگر ہم اپنے لئے دنیا کی معزز اور ممتاز اقوام کی صف میں کوئی جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی قومی زندگی کو ان مسائل سے قطعاً پاک کر دینا پڑے گا۔

یہاں اس بات کو چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ جس مسئلہ کو فرقہ وارانہ مسئلہ کے الفاظ سے موسوم کیا جاتا ہے وہ دراصل ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کا مسئلہ ہے اور تقسیم ہند کی بدولت اسی مسئلہ کے حل ہو جانے یا غیر اہم بن جانے کی توقع تھی لیکن آج تقسیم ہی کی بدولت اس نے غیر معمولی اہمیت اور پیچیدگی اختیار کر لی ہے اور اس معاملہ کا تاریک ترین رخ یہ ہے کہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس میں بھی جو اصولی طور پر فرقہ پرستی کی مخالف ہی نہیں بلکہ آج ملک کے نظم و نسق کی ذمہ دار بھی ہے گذشتہ چار سال کی مدت میں کچھ ایسے عناصر شامل ہو گئے ہیں جن کی موجودگی آج کے مقابلہ میں کل کانگریس کے اصول اور ملک کی عمومی ترقی کے لئے زیادہ نقصان رساں ثابت ہو سکتی ہے۔ ملک کے بہی خواہ

رہنما گذشتہ چند سال سے اس صورت حال کی بدولت غیر مطمئن اور پریشان رہے ہیں اور اسی لئے پنڈت جواہرلال نہرو نے کانگریس کی صدارت کی ذمہ داری قبول کرکے وہ قدم اٹھایا ہے جو وہ عام حالات میں اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوسکتے تھے ۔

کانگریس کی زمام قیادت پنڈت نہرو کے ہاتھوں میں چلے جانے کے بعد ایک جانب تو اقلیتوں اور خصوصاً مسلمانوں کے مابین احیاء اعتماد ہورہا ہے دوسری طرف کانگریس کی منتشر قوتیں مجتمع ہوتی جارہی ہیں اور تیسری طرف اس امر کا امکان پیدا ہوتا جارہا ہے کہ آئندہ انتخابات عمومی میں کانگریس کے نام پر جو امیدوار حصہ لیں انہیں سے بیشتر امیدوار زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی کانگریس کے اصولوں کی حمایت کریں گے لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انھیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوجانا چاہئیے کہ ہندوستان میں ان کا وجود صرف پنڈت نہرو ہی کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اس قسم کی غلط فہمی ان کی خود اعتمادی کو زائل اور ہندوستان کے اکثریت والے فرقہ کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات کو درہم وبرہم کردے گی اور اگر کبھی پنڈت نہرو برسر اقتدار نہ آسکیں گے تو اس وقت یا تو مسلمان خود کو اس ملک میں بے یار و مددگار محسوس کرنے لگے گا یا پھر اسے ترک وطن کے علاوہ ذہنی پریشانی کا کوئی اور علاج نظر نہ آئے گا اور اس طرح فرقہ پرست عناصر کا وہ مقصد پورا ہو جائے گا جسے پورا کرنے کے لئے وہ گذشتہ چار سال سے برابر جد و جہد کرتے رہے ہیں ۔

اس کے برعکس ہندوستانی مسلمانوں کو جو بات مدنظر رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں ان کا حال اور مستقبل کے ساتھ وابستہ ہے جو شر و فساد کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن چونکہ بعض مخصوص حالات اور واقعات کے باعث چند سال قبل ان امن پسند کشادہ دل اور غیر متعصب عوام کی قوت و طاقت مضمحل ہوگئی تھی اس لئے اس ملک میں وہ المناک واقعات رونما ہوئے جن کا تذکرہ تو کیا تصور بھی انسان کو لرزہ براندام کردینے کے لئے کافی ہے لیکن اب ان طاقتوں کا اضمحلال دور ہوتا جارہا ہے اور اگر ہم اس ملک میں عزت کے ساتھ زندہ رہنا اور ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان قوتوں کو قوی بنانا چاہئیے مختصر یہ کہ کروڑوں انسانوں کے تحفظ اور ترقی کو کسی ایک فرد کی ذات کے ساتھ وابستہ کردینا دانشمندی نہیں

کیونکہ اگر کبھی وہ ذات ان لوگوں کے درمیان موجود نہیں ہوتی تو پھر راستہ بھول جاتے ہیں، ان کے دلوں پر یاس و ناامیدی مسلط ہو جاتی ہے اور وہ خود کو اس لشکر کی طرح محسوس کرنے لگتے ہیں جس کا سپہ سالار اسے چھوڑ کر چلا گیا ہو اور اگر خدانخواستہ کبھی مسلمانوں کو اس ملک میں ایسی صورت حالات سے دو چار ہونا پڑا تو ان کے لئے اس کا مقابلہ کرنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار تر ضرور ہو جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ پنڈت نہرو ایک انصاف پسند، غیر متعصب ملک میں حقیقی غیر مذہبی جمہوریت کے قیام کے خواہشمند ہیں حق گو رہنما اور وزیر اعظم ہیں اور جب تک ملک کی زمام قیادت و حکومت ان کے ہاتھوں میں رہے گی مسلمانوں کو کسی قسم کی بے انصافی کا اندیشہ لاحق نہ ہو سکے گا اس لئے ہماری کوشش یہی ہونی چاہئے کہ ہندوستان کے کروڑوں امن پسند اور منصف مزاج غیر مسلم عوام کی امداد سے پنڈت جی کے ہاتھوں کو مضبوط تر بنائیں اور ان کی قوت و طاقت میں اضافہ کے لئے وہ طریقہ کار اختیار کریں جس کی بدولت پنڈت نہرو کے کاز اور اصول کو مقبولیت اور تقویت حاصل ہو سکے اور خیالات و عمل کے اعتبار سے اس ملک میں بے شمار نہرو پیدا ہو جائیں۔ اور جب تک ہندوستان کا مسلمان معاملہ پر اس زاویہ نظر سے غور نہیں کرے گا۔ وہ اپنے مستقبل کو غیر متیقن اور غیر متعین ہی محسوس کرتا رہے گا۔

ادارۂ اقوام متحدہ اور ایران و مصر

ہندوستان کی داخلی سیاست کے مذکورہ بالا اہم تغیر کے علاوہ گزشتہ ایک ماہ کی مدت میں کرۂ ارض کے دوسرے گوشوں میں بھی بعض اہم واقعات رونما ہوئے ہیں مثلاً برطانیہ نے ایرانی تیل کے چشموں کے سلسلہ میں اپنے اور ایران کے اختلافات کا مسئلہ ادارۂ اقوام متحدہ کے روبرو پیش کر دیا ہے۔ اور مصر نے اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ وہ ۱۹۳۶ء کے معاہدہ مصر و برطانیہ نیز ۱۸۹۹ء کے اس معاہدہ کو مسترد کر دے گا جو سوڈان پر مشترکہ حکومت قائم رکھنے کے سلسلہ میں اس کے اور برطانیہ کے مابین ہوا تھا۔

جہاں تک مصر اور برطانیہ کے تنازعہ کا تعلق ہے۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ مصر اب نہر سوئز نیز سوڈان پر برطانوی سیادت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور اگر مغرب کے

ادعائے جمہوریت پسندی میں صداقت کا کوئی شائبہ بھی موجود ہے تو اسے مصر کی اس خواہش کا احترام کرنا چاہیئے۔ لیکن حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ برطانیہ مصر کے مذکورہ بالا مطالبہ کو تسلیم نہیں کرے گا۔ اور جب مصر باقاعدہ طریقہ پر ان معاہدات کی تنسیخ کا اعلان کر دے گا تو اس مسئلہ کو بھی مجلس تحفظ کے رُوبرو پیش کیا جائے گا۔

اس وقت تک ادارۂ اقوام متحدہ کے رُوبرو دنیا کے جس قدر پیچیدہ مسائل پیش کئے جا چکے ہیں۔ وہ ان میں سے بیشتر مسائل کو حل کرنے میں ناکام ثابت ہوا ہے۔ اور اگر اس نے کسی مسئلہ کو حل بھی کیا ہے تو اس کے فیصلوں کا رُجحان مستعمرین مغرب کی طرف رہا ہے اس لئے اگر کسی مرحلہ پر مصر اور برطانیہ کے تنازعہ کو بھی اس کے روبرو پیش کیا گیا تو اس امر کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنا فیصلہ مصر کے حق میں صادر کر سکے گا اور آج ایران اور برطانیہ کے اختلافات کا جو مسئلہ مجلس تحفظ کے زیرِ غور ہے، اس میں بھی مجلس تحفظ کی حمایت برطانیہ ہی کو حاصل رہے گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مصر اور ایران مجلس تحفظ کے ایسے فیصلوں کو تسلیم کرلیں گے جو کسی طرح بھی قومی آزادی اور جمہوریت کے مطابق نہیں ہو سکتے؟ اور اس کا جواب یہ ہے کہ مصر اور ایران ہی نہیں بلکہ مشرق کا کوئی مُلک بھی اب مستعمرین مغرب کی سیادت اور حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور اگر مجلس تحفظ نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا، تو اس کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کچھ برآمد نہیں ہو سکتا کہ ادارۂ اقوام متحدہ ہی کی بدولت جو اقوام عالم کو متحد کرنے اور انھیں جنگ و جدل کی راہ پر چلنے سے رُوکنے کے لئے قائم کیا گیا تھا دنیا دو معاند گروہوں میں منقسم ہو جائے گی اور حاکم و محکوم یا پھر یوں کہیئے کہ قیام سیادت و حکومت کے خواہشمندوں اور ان کے مخالفین کے مابین تصادم ناگزیر ہو جائے گا۔